افریقہ میں سید مودودیؒ کی فکری رہنمائی

حافظ محمد ادریس ○

مولانا مودودیؒ کا کارنامہ ہمہ پہلو' ہمہ جہت اور جامع ہے۔ آپ کا اصل کام فکری رہنمائی اور قلم و قرطاس کا صحیح استعمال ہے۔ جہاد قلم' زبان اور سیف سبھی سے کیا جاتا ہے۔ دیرپا اثرات قلمی جہاد ہی کے ہوتے ہیں' جو سید مودودیؒ کی اصل پہچان ہے۔

مولانا مودودیؒ کی تمام تصانیف' موثر' دل و دماغ کو اپیل کرنے والی' اور ایک مخلص داعیٔ حق کا دردِ دل لیے ہوئے ہیں۔ ان کتابوں نے بلاشبہہ لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو تبدیل کیا ہے۔ ہر علاقے اور ہر زبان سے تعلق رکھنے والے غیر مسلم ان کی تحریریں پڑھ کر اسلام سے روشناس ہوئے۔ اسی طرح مولانا مودودیؒ کی کتب کے مطالعے کی بدولت خود بے شمار مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا۔ ان سطور میں چند واقعات براعظم افریقہ کے تناظر میں پیش خدمت ہیں۔

● **افریقہ میں کچھ تجربات :** ۱۹۷۴ء کے آغاز میں مجھے اسلامک فاؤنڈیشن' نیروبی میں خدمات سرانجام دینے کے لیے کینیا جانے کا اتفاق ہوا' اور ۱۲ برس تک وہاں رہا۔ اس دوران عموماً سال میں ایک یا دو مرتبہ مجھے پاکستان آنے کا موقع ملتا تھا۔ ۱۹۷۸ء تک ہر مرتبہ واپسی پر میں مولانا محترم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ وہاں سے رہنمائی کے لیے کبھی کبھار خطوط بھی ارسال کیے جاتے تھے۔ مولانا مرحوم' افریقہ کے بارے میں اس قدر معلومات رکھتے تھے کہ

○ ڈپٹی ڈائرکٹر' ادارہ معارف اسلامی' منصورہ' لاہور

حیرانی ہوتی' حالانکہ مولانا نے افریقہ کا کبھی دورہ نہ کیا تھا۔

میں نے حبشہ کے ظالم شہنشاہ ہیل سلاسی کا تختہ اُلٹے جانے کے بعد اس کے مظالم کا تذکرہ کیا تو مولانا نے فرمایا: ''ہیل سلاسی بڑا ظالم اور متعصب عیسائی تھا۔ اس کے دل میں اسلام سے شدید بغض وعناد تھا' مگر نئے آنے والے کمیونسٹ فوجی افسران' مسلمانوں پر اس سے بھی زیادہ ظلم ڈھائیں گے۔ کیونکہ روس نے جہاں کہیں اپنے حامیوں کو کامیاب کرایا ہے' خوف وہراس کی بدترین فضا پیدا کی ہے۔ اس کے باوجود ایک اچھا پہلو یہ ہے کہ اریٹریا کے مسلمانوں کی تحریک اب مضبوط ہو جائے گی' کیونکہ ہیل سلاسی پورے ملک میں اتحاد کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے لیے پایا جانے والا نام نہاد تقدس موجودہ فوجی حکمرانوں کو حاصل نہ ہوگا''۔ یہ بات مولانا مودودیؒ نے اکتوبر ۱۹۷۵ء کو فرمائی تھی۔ کس قدر درست تجزیہ اور کتنی سچی پیش بینی تھی۔ ۱۹۹۳ء میں مسلم علاقہ اریٹریا حبشہ کی غلامی سے آزاد ہوگیا۔

۱۹۷۸ء میں مجھے اچانک اپنی والدہ مرحومہ کی شدید بیماری کی وجہ سے پاکستان آنا پڑا تو مولانا سے ملاقات ہوئی۔ یوگنڈا کے فوجی ڈکٹیٹر عیدی امین کی حکومت کے خلاف باغیوں نے تنزانیہ کی افواج کے تعاون سے خانہ جنگی شروع کر دی تھی۔ باغی مسلسل پیش رفت کر رہے تھے۔ یوگنڈا میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔

مولانا نے اس جنگ کے بارے میں فرمایا: ''عیدی امین کی حماقتوں کا خمیازہ مسلم عوام کو بھگتنا پڑے گا۔ اس کے خلاف جس طرح ساری قوتیں سرگرم عمل ہیں' اس کی شکست اب بالکل نوشتۂ دیوار ہے۔ اسے تو کہیں نہ کہیں پناہ مل جائے گی مگر عام مسلمانوں پر سخت عذاب آ جائے گا''۔ جولیس نیریرے (صدر تنزانیہ) کے بارے میں فرمایا: ''وہ زنجبار کی مسلم حیثیت اور اسلامی تشخص کو ختم کرنے کا پہلے ہی مجرم ہے' اب یوگنڈا میں بھی ایک تنگ دل عیسائی مشنری کی طرح اسلام کی بیخ کنی کرے گا''۔ اس کے پانچ چھ ماہ بعد اپریل ۱۹۷۹ء میں یوگنڈا پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا۔ عیدی امین کو تو سعودی عرب میں سیاسی پناہ مل گئی' مگر مسلمان آبادی ظلم کا نشانہ بنی۔

ایک مرتبہ میں نے مولانا کی خدمت میں افریقی مسلم معاشرے کی اس خرابی کا تذکرہ کیا کہ وہاں شادی کا تقدس تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اس قدر طلاقیں واقع ہوتی ہیں کہ کثیر تعداد میں

مطلقہ جوڑوں کے بچے بے یار و مددگار ہو کر عیسائی مشنریوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ اس پر مولانا نے فرمایا: ''عربوں کے ہاں سے بہت ساری اچھی اور بری چیزیں افریقہ میں بھی پہنچی ہیں۔ نکاح کا تقدس اور طلاق حلال ہونے کے باوجود ابغض قرار پانے کا موضوع دھندلا گیا ہے۔ اسے اجاگر کرنے کے لیے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ کتاب حقوق الزوجین کا سواحلی ترجمہ کروا کر اسے عام پھیلانے سے بھی مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں''۔

پہلی مرتبہ جب میں کینیا پہنچا تو معلوم ہوا کہ چودھری غلام محمد مرحوم و مغفور نے افریقہ اور بالخصوص افریقہ کے مشرقی حصے میں تحریک کے لیے بہت کام کیا ہے۔ یہاں چودھری صاحب مرحوم کے ساتھ ان شخصیات کا تذکرہ بھی ضروری ہے جو افریقہ میں ان کے دست و بازو بن کر میدانِ عمل میں سینہ سپر رہے۔ ان میں محمد بشیر دیوان مرحوم' عبدالحلیم بٹ مرحوم' محمد شفیع میر مرحوم' ڈاکٹر محمد سعید مرحوم' ضیاء الدین سومرو مرحوم' خلیل ملک مرحوم' جناب پروفیسر خورشید احمد' جناب راؤ محمد اختر' جناب عبدالرحمٰن بزمی' جناب حاجی محمد لقمان اور افریقی آبادی میں سے کینیا کے پہلے چیف قاضی شیخ محمد قاسم مزروعی مرحوم' دوسرے چیف قاضی شیخ عبداللہ صالح فارسی مرحوم' شیخ زبیدی مرحوم' ممبر پارلیمنٹ عثمان ورارو مرحوم' ممبر پارلیمنٹ ورارو (یوسف) کانجا وغیرہ اس قافلے میں شامل رہے۔ سب سے اہم کام سواحلی اور لوگنڈی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے۔ سواحلی زبان میں تو قرآن مجید کا ترجمہ اس وقت تک ہو چکا تھا' مگر لوگنڈی زبان میں ابھی ترجمہ زیر تکمیل تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ سواحلی زبان میں ترجمہ قرآن Qurani Takatifu کو بڑے پیمانے پر سواحلی علاقوں میں پہنچانے کا کام اسلامک فاؤنڈیشن نیروبی نے بطریق احسن انجام دیا۔ اس کام میں کچھ خدمات سرانجام دینے کی سعادت مجھے بھی حاصل ہوئی۔

● **مقدمہ تفہیم القرآن:** سواحلی زبان میں قرآن مجید کے مترجم' شیخ عبداللہ صالح فارسی' کینیا کے چیف قاضی تھے۔ موصوف نے سواحلی زبان میں قرآن مجید کا فصیح و بلیغ ترجمہ کیا تھا۔ وہ مولانا مودودیؒ کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔ بہت بڑے شاعر' ادیب' مبلغ' خطیب' محدث اور فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مجلسی آدمی تھے۔ اپنی مجلس میں لوگوں کو وعظ و تذکیر کے

ساتھ اپنی خوش گوار گفتگو کے ذریعے ماحول کو بڑا لطیف رکھتے تھے۔ مجلس میں مولانا مودودیؒ کا تذکرہ جب بھی آجاتا تو انتہائی سنجیدہ ہوجاتے اور بعض اوقات مولانا مودودیؒ کی علمی کاوشوں اور جدوجہد کے تذکرے سے ان کی آنکھیں اشکبار ہوجاتیں۔ مولانا کی وفات پر انھوں نے عربی میں ایک مرثیہ بھی لکھا تھا جو پاکستان کے اُردو اخبارات و رسائل میں چھپا تھا۔ تفہیم القرآن کا مقدمہ شیخ عبداللہ صالح فارسی نے اپنے ترجمہ قرآن کے شروع میں بطور خاص ترجمہ کر کے شائع کیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے: ''ساری زندگی قرآن مجید کے پڑھنے، پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے میں صرف کی، مگر اس تحریر کو دیکھ کر پتا چلا کہ قرآن کو سمجھنے اور اس کو آگے پہنچانے کا طریقہ کیا ہے''۔

سواحلی زبان میں قرآن پاک کے ترجمے کی مقبولیت تفہیم القرآن کی طرح قابلِ رشک ہے۔ اس ترجمے سے قبل قادیانیوں نے سواحلی میں قرآن کا ترجمہ کرایا تھا۔ جب یہ درست اور مفید ترجمہ چھپا تو اسلامک فاؤنڈیشن نے اعلان کر دیا کہ: ''جس کسی شخص کے پاس قادیانی ترجمہ ہو وہ فاؤنڈیشن کے مرکزی دفتر قرآن ہاؤس میں جمع کرا کے شیخ عبداللہ صالح فارسی کا مستند اور اسلامی ترجمہ حاصل کرلے''۔ اس اعلان کے بعد بے شمار لوگوں نے قادیانیوں کا ترجمہ جمع کروایا اور درست ترجمہ حاصل کرلیا۔

● **صومالی علما**: میرے ایک صومالی نژاد دوست عثمان عبدی شوریا، نیروبی یونی ورسٹی میں طالب علم تھے۔ کینیا کے شمال مشرقی مسلم اکثریتی صوبے سے ان کا تعلق تھا۔ یونی ورسٹی کی طلبہ تنظیم کے عہدے دار اور مخلص مسلمان نوجوان تھے۔ انھوں نے بتایا: ''مولانا کا مقدمہ تفہیم القرآن صومالی علما کے ہاں اس قدر مقبول ہے کہ کئی صومالی علما جو سواحلی زبان سے نابلد ہیں، اس کا عربی ترجمہ حاصل کر کے اسے اپنی مجالس میں طلبہ کو صومالی میں پڑھاتے ہیں''۔

● **لوگنڈی**: لوگنڈی، یوگنڈا کی سرکاری اور عوامی زبان ہے۔ اس زبان میں بھی مشنری عیسائیوں اور قادیانیوں نے ترجمہ کر رکھا تھا۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں، میں نے مولانا مرحوم سے ملاقات کی تو آپ نے حسبِ توقع افریقہ کے کام کے بارے میں رپورٹ طلب فرمائی۔ میں نے دیگر امور کے علاوہ لوگنڈی زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کی بات بھی کی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہمیں تفہیم القرآن ہی کا براہِ راست ترجمہ کروانا چاہیے۔ اس پر مولانا نے فرمایا:

''اس کام پر خاصا وقت لگے گا۔ سردست کسی پختہ عالم دین کے ذریعے قرآن مجید کے متن کا مختصر حواشی کے ساتھ ترجمہ وقت کی فوری ضرورت ہے، تاکہ گمراہ کن تراجم کا جلد سد باب ہو سکے''۔ میں نے عرض کیا کہ یوگنڈا کے مفتی عبدالرزاق مٹوو کر رہے ہیں تو فرمایا: ''تکمیل کی کوشش کی جائے''۔ چنانچہ اس زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ مکمل ہوا اور چھپا۔ یہ ترجمہ یوگنڈا کے سابق چیف قاضی شیخ عبدالرزاق مٹوو نے مکمل کیا اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

● **اسلامی نظامِ زندگی:** مولانا مودودیؒ کی نظام الحیاۃ فی الاسلام کا سواحلی میں ترجمہ کینیا کے سابق چیف قاضی شیخ محمد قاسم مزروعی مرحوم نے کیا تھا۔ اس کتاب نے نہ صرف بہت سے عیسائیوں کو مسلمان کیا، بلکہ کئی بشپ بھی مسلمان ہوگئے۔ یہ کتاب نیروبی یونی ورسٹی میں مسلم طلبہ کے لیے بطور نصابی کتاب شامل کر لی گئی تھی۔

مجھے سوڈان، ایتھوپیا (حبشہ) تنزانیہ، یوگنڈا، زیمبیا، زمبابوے، ملاوی، موزمبیق، ماریشس، مڈغاسکر، دی یونین آئی لینڈ، جیبوتی، جنوبی افریقہ اور نائیجیریا وغیرہ میں سفر کرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ ان تمام علاقوں میں مولانا مودودیؒ کا تعارف پڑھے لکھے مسلمانوں کے حلقوں میں پہنچ چکا تھا۔ جن ممالک میں برعظیم سے تعلق رکھنے والی کوئی آبادی موجود تھی، وہاں آبادی کم ہو یا زیادہ، مولانا کا اُردو لٹریچر بھی پہنچ گیا تھا۔ ان ممالک میں بالخصوص عربی، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں جس قدر بھی تراجم دستیاب تھے، لوگوں کی دل چسپی کا مرکز تھے۔ مختصر طور پر ان ممالک کے بارے میں چند سطور میں ایک خاکہ پیش خدمت ہے:

● **اریٹیریا:** اکثر لوگ عربی زبان جانتے ہیں، اس لیے وہاں مولانا کا تعارف اور لٹریچر بہت زیادہ ہے۔ اسمارا اریٹیریا کا صدر مقام ہے۔ یہاں بھی مولانا کی عربی کتب لوگوں کے پاس موجود تھیں۔

● **تنزانیہ:** تنزانیہ کی سرکاری زبان سواحلی ہے اور مولانا مودودیؒ کے ایک پرانے ساتھی ملک محمد حسین یہاں سال ہا سال مقیم رہے۔ ان کے علاوہ ہاشم گرانہ، برہان مٹینگوا، موسیٰ مدیدی، سلیمان صالح اور حمزہ سوکو مرحوم بھی فعال ساتھی تھے۔ کینیا سے شائع ہونے والا لٹریچر یہاں بھی یکساں مقبول تھا۔ یہاں ان لوگوں نے رائٹرز ورکشاپ کے نام سے ایک تحریری و تحقیقی

ادارہ بھی قائم کر رکھا تھا، جو مولانا کی تحریروں کو مضامین کی صورت میں شائع کرتا تھا۔ ابتدائی عرصے میں مولانا کے کتابچے سائیکلو اسٹائل کیے جاتے تھے۔

● **زیمبیا**: زیمبیا کی سرکاری زبان انگریزی تھی۔ قبائلی زبانیں تو کئی ہیں، تاہم بانٹو زبانوں میں سے یہاں سواحلی اور چیچوا (Chichewa) زبانیں زیادہ لکھنے پڑھنے میں استعمال ہوتی ہیں۔ اسی طرح ملاوی کی عوامی زبان بھی چیچوا ہے۔ زیمبیا میں ایوب آدم پٹیل اور ملاوی میں ابراہیم پنجوانی، ہمارے اچھے ساتھی تھے۔ مقامی زبان میں مولانا کے خطبات اور دینیات کے کچھ مضامین ترجمہ ہو کر شائع ہو رہے تھے مگر زیادہ کام نہ ہو سکا۔ پہلی کتاب جو ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ کے تعاون سے چیچوا میں ترجمہ ہوئی، رسالہ دینیات تھی۔

● **زمبابوے**: زمبابوے میں دو علمائے کرام جناب موسیٰ منک اور موسیٰ مکدا، نے ہمارے ساتھ خاصا تعاون کیا۔ یہاں دو زبانیں مقامی طور پر معروف ہیں۔ انڈ بیلے (Ndebele) اور شونا (Shona)۔ ان دونوں زبانوں میں کتابچے شہادتِ حق اور کلمہ طیبہ کے معنی وغیرہ اس دور میں سائیکلو اسٹائل ہو کر لوگوں تک پہنچے تھے۔ البتہ انگریزی میں رسالہ دینیات اور خطبات خاص طور پر مقبول کتابیں ہیں۔

● **ماریشس**: ماریشس بحر ہند کا دُور دراز جزیرہ ہے، جہاں ہندو اکثریت میں ہیں۔ یہاں اسلامک سرکل ماریشس کا کام خاصا مقبول تھا۔ محمد حسین دہال اس مرکز کے روح رواں تھے۔ فرانسیسی اور کریول (Creole) یہاں کی مشہور زبانیں ہیں۔ ان زبانوں میں رسالہ دینیات اور مولانا کی دیگر کتب کے کچھ حصے اسلامک سرکل نے شائع کیے تھے۔

● **جنوبی افریقہ**: جنوبی افریقہ میں سفید فام دورِ حکومت تک افریکانہ سرکاری زبان تھی۔ مگر آزادی کے بعد وہاں کھوسہ (Khosa) اور ذولو (Zulu) زبانوں کا راج ہو گیا۔ یہاں کی تینوں زبانوں میں رسالہ دینیات کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

● **نائیجیریا**: نائیجیریا میں اسلامک فاؤنڈیشن قائم ہے۔ فاؤنڈیشن کو ڈاکٹر حسن گوارزو مرحوم نے خاصا فعال اور مضبوط بنایا تھا۔ نائیجیریا کی سب سے اہم زبان ہاؤسا (Hausa) ہے، اس میں شیخ ابوبکر گومی نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا۔ یوروبا (Yoruba)، ایبو (Ibo)، اور فلانی

(Fulani) بھی بڑی زبانیں ہیں۔ ان چاروں زبانوں میں رسالہ دینیات کا ترجمہ ہو گیا ہے اور خطبات کے اجزا بھی دستیاب ہیں۔

● **یورپی مشنری سرگرمیاں**: افریقہ میں یورپی ممالک کی مشنری سرگرمیاں کافی عرصے سے منظّم انداز میں چل رہی ہیں۔ مغربی دنیا کے دیگر ملکوں کی طرح ڈنمارک کی بعض تنظیموں نے بھی یہاں مشنری ادارے قائم کیے ہیں۔ ایسا ہی ایک ادارہ کینیا کے ایک ضلعی صدر مقام ایسیولو میں تھا۔ یہ سنٹر ہمارے الفلاح اسلامک مرکز سے متصل تھا۔ یہاں کا انچارج ایک ڈینش نوجوان پربین بوگارڈ (Preben Bundgaard) تھا۔ الفلاح مرکز کے انچارج جناب شیخ محمد سلفی تھے۔ مسٹر پربین کے ساتھ ان کی مجلسیں ہوتی رہتی تھیں۔ اسیولیو نیروبی سے تقریباً دو سو کلومیٹر فاصلے پر ہے۔ شیخ صاحب نے ایک روز وہاں مسٹر پربین سے ہمارا تعارف کروایا کہ ان کے ذہن میں اسلام کے بارے میں بہت سے سوالات ہیں۔ مسٹر پربین نے پہلی ہی ملاقات میں کئی سوالات پوچھے۔ جس سے اندازہ ہوا کہ اسلام کے بارے میں ان کی معلومات کس قدر غلط ہیں۔ ان سے درخواست کی گئی کہ وہ سنجیدگی سے اسلام کی بنیادی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔ انھیں سب سے پہلے سلامتی کا راستہ دی گئی جو سواحلی اور انگریزی دونوں زبانوں میں دستیاب تھی۔ سواحلی زبان میں اس کا نام *Njia ya Amani Na Uokofu* ہے۔

● **دل کی دنیا**: پہلی کتاب مکمل طور پر پڑھ لینے کے بعد مسٹر پربین نے کہا: ''اس کتاب نے میرے دل میں ایک آگ سی لگا دی ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے کیا کروں''۔ انھیں بتایا گیا کہ وہ دینیات کا مطالعہ کریں اور اس کے نتیجے میں ذہن میں اٹھنے والے سوالات پیش کریں۔ چنانچہ دینیات کا مطالعہ مکمل کرنے کے بعد وہ اسیولو سے نیروبی آئے۔ جب وہ اسلامک فاؤنڈیشن کے دفتر قرآن ہاؤس میں پہنچے تو میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ چوکیدار نے دروازہ کھول دیا اور وہ ہال میں کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں نماز سے فارغ ہوا علیک سلیک کے بعد جب انھوں نے اپنے ڈینش لہجے میں پوری ثنا پڑھ دی تو مجھے خوش گوار تعجب ہوا۔ میں نے کہا: ''مسٹر پربین آپ کیا مسلمان ہو چکے ہیں؟'' کہنے لگے: ''ابھی نہیں، البتہ اس کی جانب پیش قدمی شروع کر دی ہے''۔ میں نے پوچھا: ''پھر آپ نے یہ عربی عبارت کس طرح یاد

کی ہے؟'' کہنے لگے: ''دینیات کتاب میں اسلام کا بہت جامع تعارف کروایا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطابق معلوم ہوا جو شخص مسلمان ہوتا ہے اس پر سب سے پہلے نماز فرض ہو جاتی ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں اور نماز پڑھنا نہ آتی ہو تو یہ ایک ناقص مسلمان کی صورت ہوگی۔ چنانچہ میں نے باقاعدہ مسلمان ہونے سے پہلے نماز یاد کرنا شروع کر دی ہے۔ اب میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ ۱۵ دن بعد اسیولو آئیں اور ہم اپنی اس ملاقات میں حتمی طور پر طے کرلیں کہ آیا مجھے مسلمان ہونا ہے یا اپنے سابقہ مذہب پر رہنا ہے''۔

اگلے سفر میں جب ہم اسیولو پہنچے تو قافلہ ڈاکٹر محمد سعید صاحب مرحوم، خلیل ملک صاحب مرحوم، حاجی محمد لقمان صاحب، محمد اختر بھٹی صاحب پر مشتمل تھا۔ شیخ محمد سلفی صاحب ہمارے میزبان تھے اور ہمیں اس بات کا انتظار تھا کہ مسٹر پربین الفلاح مرکز میں کب آتے ہیں۔ شیخ سلفی بتانے لگے کہ پربین نے صبح سے کئی مرتبہ پوچھا ہے کہ نیروبی سے مہمان کب آئیں گے۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ مسٹر پربین تشریف لے آئے اور آتے ہی کہا: ''السلام علیکم''۔ ہم نے ان کا حال احوال معلوم کیا۔ میں نے کہا: ''کیا آپ مسلمان ہو چکے ہیں''۔ انھوں نے کہا: ''ہاں' ان شاء اللہ آج مسلمان ہونے کا ارادہ کر کے آیا ہوں''۔ اس مجلس میں سب لوگوں کی زبان پر اللہ اکبر، اللہ اکبر تھا اور بعض کی آنکھوں میں آنسو بھی۔ اسی مجلس میں مسٹر پربین کو کلمہ پڑھایا گیا، جو انھوں نے پہلے سے یاد کیا ہوا تھا۔ اسی روز ان کا اسلامی نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس انقلاب کا سب سے بڑا محرک سید مودودیؒ کی کتب ہی ہیں۔

مسٹر پربین جو اب عبدالرحمٰن بن چکے تھے، اس سے قبل کینیا کی ایک مقامی لڑکی کے ساتھ رہایش پذیر تھے۔ وہ ایک عیسائی لڑکی تھی۔ عبدالرحمٰن کی کوششوں کے باوجود وہ مسلمان نہ ہوئی تو ان کے درمیان ایک خلیج حائل ہوگئی۔

اس واقعے کے بعد عبدالرحمٰن کو ان کے مشن نے ملازمت سے نکال دیا اور انھوں نے وطن واپسی کے لیے رخت سفر باندھا۔ قبل اس کے کہ وہ واپس جاتے، ان کی خواہش تھی کہ وہ عمرے کی سعادت حاصل کرلیں۔ اس دوران نام کی تبدیلی، قبولِ اسلام کی شہادت اور سرٹیفکیٹ تیار کرلیا گیا۔ اسی مجلس میں ان کے سامنے تجویز رکھی گئی کہ کیوں نہ عمرے کی ادایگی کے بعد

اسلامک فاؤنڈیشن کے مرکز میں کچھ عرصہ کام کریں' چنانچہ وہ اس پر تیار ہوگئے۔ انھیں جو معاوضہ ڈنمارک حکومت کی طرف سے مل رہا تھا' ہم وہ تو نہ دے سکے' لیکن ہمارا معمولی سا معاوضہ اس جویاے حق نے قبول کرلیا۔ انھوں نے ہمارے ساتھ تقریباً دو سال تک کام کیا۔ دو سال بعد انھوں نے مستقل طور پر ڈنمارک جاکر اسلامک سنٹر کوپن ہیگن میں خدمات انجام دیں۔

● **قادیانی فتنہ:** ۱۹۷۴ء تک کینیا میں قادیانیوں کا مشن خاصا فعال تھا۔ لیکن پاکستانی دستور میں چوتھی آئینی ترمیم کے بعد جب پاکستان پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو غیرمسلم قرار دے دیا تو پوری دنیا میں ان کے اثرات سمٹنے لگے۔ ان کے مبلغ شیخ مبارک اخبارات کے ذریعے سے اپنے نظریات کا پرچار کرتے تھے' لیکن ان کے ہر آرٹیکل کا جواب ہم بھیجتے جو اخبارات میں چھپ جاتا۔

اس عرصے میں قادیانیوں کے ایک مشنری نے قرآن ہاؤس میں آکر میرے ساتھ مناظرہ کیا۔ اس کا طریقۂ واردات یہ تھا کہ ایک موضوع کو چھوڑ کر دوسرے موضوع پر بحث چھیڑ دیتا۔ اس مباحثے کے دوران مولانا مودودیؒ کا کتابچہ ختم نبوت زیربحث آیا جو ہم نے کینیا میں انگریزی اور سواحلی میں چھپوا کر تقسیم کیا تھا۔ اس کی زبان سے یہ بات نکلی کہ علما نے ہمارے خلاف بڑی بڑی کانفرنسیں کیں' بڑے جلوس نکالے' لیکن اس شخص نے جتنا نقصان ہمیں پہنچایا ہے' کوئی نہیں پہنچا سکا۔ اس کا اشارہ مولانا مودودیؒ کے مقالے ختم نبوت کی طرف تھا۔

● **شر میں خیر:** کینیا کے شمال مشرقی علاقے میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے' عیسائی مشنریوں نے جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے قصبات اور دیہات تک اپنا جال پھیلا رکھا ہے۔ جب اس علاقے کے مسلمانوں نے کینیا سے آزادی حاصل کر کے اپنے آپ کو مسلمان ملک صومالیہ سے جوڑنے کے لیے جدوجہد کی تو اس خانہ جنگی میں بے شمار مسلمان مرد مارے گئے۔ آبادیوں کی آبادیاں یتیموں اور بیواؤں کی وجہ سے کسمپرسی کا شکار ہوگئیں۔ اب عیسائی مشنریوں کو موقع ملا کہ وہ ہسپتالوں' اسکولوں' یتیم خانوں اور دیگر تعمیرات کے نام پر ان بستیوں میں گھس جائیں' جنھوں نے مسلمانوں کو گمراہ کیا اور بڑی تعداد میں لوگوں نے عیسائیت قبول کرلی۔ ایک قصبہ جہاں ہمارا بھی مرکز تھا۔ اس قصبے کا نام قربت اللہ ہے اور یہاں عیسائی مشنریوں نے بچیوں کا ایک پرائمری اور ہائرسیکنڈری اسکول اور انھیں سٹینو اور ٹائپسٹ کی تعلیم دینے کے لیے ٹائپنگ

اور شارٹ ہینڈ کا ادارہ قائم کیا۔ کئی برس تک بچیوں کو تعلیم دینے کے بعد وہ سمجھے کہ یہ بچیاں اب مکمل طور پر انھی کے رنگ میں رنگ چکی ہیں' اور ان کا اپنے دین اور خاندانی پس منظر سے رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ اس لیے ان کے نام تک تبدیل کر دیے گئے۔ مگر ایک عجیب واقعہ رونما ہوا جس سے تہلکہ مچ گیا۔ جب ان کی پاسنگ آؤٹ تقریب آئی تو وہ اتوار کے دن اپنے معمول کے خلاف گرجا گھر میں حاضر نہ ہوئیں' بلکہ اپنے ہاسٹل ہی میں دبکی رہیں۔ مشنری عملے نے ہنگامہ کھڑا کیا اور کہا کہ فادر گرجا میں سرمن دے رہے ہیں اور تم ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئیں۔ ایک لڑکی نے ہمت کر کے کہا: ''ہم تو مسلمان ہیں اور مسلمان گرجا گھروں میں نہیں مسجدوں میں جایا کرتے ہیں''۔

● **پارلیمنٹ میں بازگشت:** اس ماحول اور ادارے میں یہ بات ایک دھماکے سے کم نہ تھی۔ ان کے ہاں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انھیں اس ادارے سے فارغ کرنے اور انھیں اسناد نہ دینے کا فیصلہ ہوا۔ اللہ غریق رحمت کرے' ایک مسلمان ممبر پارلیمنٹ حاجی محمد خولے خولے' جو اس علاقے سے ذرا دُور کے حلقے کی نمایندگی کرتے تھے بہت نیک مسلمان تھے۔ ان سے فاؤنڈیشن کے دیگر احباب کی طرح میرا بھی دوستی کا تعلق تھا' اس معاملے میں میدان میں آ گئے۔ انھوں نے یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں اٹھا دیا۔ چنانچہ دستور میں مذہب کی آزادی کا جو حق کینیا کے تمام شہریوں کو دیا گیا تھا' اس کی بدولت حکومت کی مداخلت پر بچیوں کو یہ سندات جاری کر دی گئیں۔ اس پر چرچ میں تحقیق شروع ہوگئی کہ: ''اتنا عرصہ مشنریوں کے زیراثر رہنے کے باوجود ان بچیوں کو کیا ہوگیا تھا کہ انھوں نے اپنے آپ کو عیسائی کے بجاے مسلمان قرار دے دیا؟

تحقیق پر پتا چلا کہ مولانا مودودیؒ کی کتاب دینیات کا سواحلی ترجمہ اس انقلاب کا محرک بنا۔ کتاب کے مترجم ممباسا کے مسلمان چراغ دین شہاب دین مرحوم تھے۔ اس کا ترجمہ چند سال قبل ہی سواحلی زبان میں ہوا تھا۔ دراصل اس ادارے میں کسی لڑکی کے پاس کسی ذریعے سے یہ کتاب پہنچی تو اس نے اس کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی دوسری ہم عمر لڑکیوں کو یہ کتاب پڑھنے کو دی۔ آہستہ آہستہ سب لڑکیوں نے یہ کتاب پڑھ لی اور آپس میں طے کیا: ''ہم مسلمان ہیں اور ہمیں مسلمان ہی رہنا چاہیے''۔